مولانا فضلِ حق خیرآبادی

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری سندھی

فضل حق عمری حنفی ماتریدی چشتی خیرآبادی ان کا پورا نام ہے جو نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے۔ اس کی لم یہ ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب ۲۲ واسطوں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے[1] فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پیرو تھے۔ معقولات میں ماتریدی نقطۂ نگاہ کے حامل اور تصوف میں حضرات چشت سے رشتہ انسلاک رکھتے تھے اور خیرآباد (ضلع سیتاپور، یوپی، انڈیا) ان کا مولد و منشا طفولیت تھا۔ ان کا سن ولادت ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء ہے[2]۔

ابتدائی تعلیم اپنے گھر پر حاصل کی، معقولات کی اعلا کتابوں کی تحصیل والد ماجد حضرت مولانا علامہ فضل امام خیرآبادی کی خدمت میں کی۔ نواب صدیق حسن کے قول کے مطابق "سماعت حدیث کا شرف عبدالقادر محدث دہلوی کی خدمت میں حاصل ہوا"[3] رحمان علی نے بھی صرف شاہ عبدالقادر سے حدیث پڑھنے کا ذکر کیا ہے[4] گل حسن شاہ پانی پتی نے شعرگوئی میں شاہ عبدالعزیز دہلوی سے استفادے کا ذکر کیا ہے[5] مولانا محمد میاں اور محمد ایوب قادری نے حدیث میں بھی شاہ عبدالعزیز کو ان کا استاد بتایا ہے[6] ان کے اساتذہ میں ایک نام حافظ محمد علی خیرآبادی کا بھی آیا ہے۔ جس سے وہ فصوص الحکم کا درس لیا کرتے تھے[7] سلوک و طریقت میں رہنمائی کے لیے دھومن شاہ دہلوی کا دامن پکڑا۔ تیرہ برس کی عمر میں تمام علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کر لی۔ اور چار ماہ اور چند روز میں قرآن مجید حفظ کر لیا اس عمر میں

تکمیل علوم و فنون اور اتنی مختصر مدت میں قرآن مجید حفظ کر لینے سے ان کی غیر معمولی ذہانت اور کمالِ حافظہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اصحاب فضل و کمال سے اِن نسبتوں اور علوم و فنون میں استفادے کے بعد نواب صدیق حسن خاں کے قول کے مطابق مولانا فضل حق منطق، حکمت فلسفہ، کلام، اصول اور شعر و ادب میں یگانہ عصر بن گئے تھے ۸ مولانا سید عبدالحیؒ کا قول ہے کہ "فنون حکمیہ اور علوم عربیہ میں فی زمانہ ان کی نظیر ممکن نہیں"۹

مولانا کا خاص میدان منطق اور فلسفہ (حکمت) تھا۔ حافظ احمد علی شوق رام پوری نے مولانا خلیل الرحمٰن سورتی سے ایک بحث کا حال لکھا ہے کہ وہ مولوی فضل حق سے اصول میں گفتگو کرنے لگے۔ مولوی صاحب انھیں کھینچ کر منطق میں لے آئے اور بند کر دیا۔ شوق نے لکھا ہے:

"اس روز سے مولوی فضل حق نے کتب اصول کو دیکھنا شروع کر دیا"۱۰

تکمیل علوم و فنون کے بعد درس و تدریس کا آغاز کیا۔ اور یہ سلسلہ اس وقت بھی جاری رہا۔ جب ملازمت کے بعد وہ دہلی، رام پور، لکھنو وغیرہ میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ ۱۲۳۱ھ / ۱۸۱۶ء میں ملازمت کا آغاز انھوں نے دہلی میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے ریذیڈنٹ کے دفتر میں سررشتہ داری سے کیا۔ اور تقریباً سولہ سال تک نہایت ذمہ داری اور خوش اسلوبی کے ساتھ فرائض منصبی کو ادا کیا۔ لیکن ان کا خاص ذوق فلسفہ اور علم و ادب کا ذوق تھا۔ ملازمت کا شغل والد ماجد کے حکم و خواہش پر اختیار کیا تھا۔ لیکن ادھر قبلہ والد ماجد نے اس جہان فانی سے سفر آخرت (۱۲۴۴ھ) اختیار کیا ادھر انھوں نے ملازمت کی گراں باری سے سبکدوشی حاصل کی۔ ۱۲۴۵ھ / ۱۸۳۱ء میں انھوں نے کمپنی کی ملازمت سے ترکِ تعلق کر لیا۔ لیکن وہ اپنے اس عزم پر زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکے (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۳ء) میں وہ نواب فیض محمد خاں والی جھجر سے وابستہ ہو گئے۔ وہاں سے کچھ عرصے بعد والی الور نے انھیں بصد فخر و امتنان اپنی ریاست میں بلالیا۔ الور سے وہ تقریباً دو سال وابستہ رہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ انھوں نے سہارن پور اور ٹونک میں بسر کیا۔ پھر وہ رام پور آگئے۔ نواب صاحب رام پور نے ان کے ساتھ نہایت عزت و تکریم کا برتاؤ کیا۔ اور محکمۂ نظامت اور مرافعہ عدالتوں کی صدارت

دے کر ریاست کی شہرت اور نیک نامی میں اضافہ کیا۔ رام پور میں انھوں نے ۱۲۵۶ھ/۴۰-۱۸۴۱ء سے ۱۲۶۴ھ/۴۸-۱۸۴۷ء تک تقریباً آٹھ سال تک کا عرصہ گزارا۔ اس کے بعد اسی سال سے ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء کے اوائل تک تقریباً آٹھ سال وہ لکھنؤ میں کچہری حضور تحصیل کے مہتمم اور صدر الصدور کی حیثیت سے رہے۔ ۱۲۷۳ھ کے ابتدائی مہینوں میں وہ دوبارہ الور چلے گئے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کا آغاز ہوا تو حضرت علامہ الور میں تھے۔ اس طرح انھوں نے ۱۸۱۶ء سے جب عملی زندگی کا آغاز کیا تھا ۱۸۵۷ء کے وسط تک پورے اکتالیس سال بیشتر اپنی بہترین ذہنی و علمی صلاحیتیں کسی دینی خدمت کے بجائے دنیاوی مشاغل اور وقت کی سب سے بڑی استعماری طاقت ایسٹ انڈیا کمپنی یا دوسری مسلم و غیر مسلم ریاستوں کی ملازمت اور خدمت گزاری میں صرف کرتے رہے۔

افسوس وہ دلربا ادائیں جو کام میں غیر کے ہوئیں صرف

جنگِ آزادی کا الاؤ روشن ہو چکا تھا اور جہادِ ملی و وطنی کی سرگرمیوں کے آغاز پر کئی مہینے گزر چکے تھے۔ جب حضرت علامہ فضل حق دہلی پہنچے تھے۔ اس لیے جہاد کے استفتا کی ترتیب و تدوین میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ فتوے پر بھی ان کے دستخط نہیں ہیں۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فتوے کی اشاعت (جولائی ۱۸۵۷ء) تک وہ دہلی نہیں پہنچے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو فتوے پر ان کے دستخط ضرور ہوتے۔ وہ اس پائے کے عالم تھے کہ انھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تحریک جہادِ آزادی کے ہر گوشے میں کلیتہً ان کی شرکت سے انکار کر دیا جائے۔ انھوں نے تحریک کے ایک مرحلے میں ملی خدمت کے عزم کا اظہار کیا لیکن اپنے خاص انداز سے جو زندگی بھر ان کے امیرانہ ٹھاٹ باٹ نے ان کے لیے بنا دیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے مزاج و مرتبہ کے مطابق اپنے لیے اور اپنے عزیزوں کے لیے جن مناصب کی خواہش کی ان کا جہادِ آزادی سے براہ راست تعلق نہ تھا۔ میدانِ جہاد کے انتخاب کے بجائے وہ چاہتے تھے کہ دربار میں ان کا وہ مقام ہو اور ملک کی انتظامیہ میں ان کے اعزہ اور ان کے اعتماد کے لوگوں کو ایسی حیثیت حاصل ہو کہ وہ مغلیہ سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے سکیں اور خود ان کے لیے بھی امیرانہ زندگی کا سر و سامان فراہم ہو سکے

لیکن جس وقت حضرت علامہ مرحوم نے اپنی بہترین آرزوں اور خواہشوں کا دامن پھیلایا تھا اس کے لیے حالات سازگار نہ تھے۔

حضرت علامہ کے دہلی پہنچنے کی قطعی تاریخ ابھی متعین نہیں ہو سکی۔ بعض اہل علم کی رائے ہے کہ وہ مئی میں دہلی پہنچ گیے تھے۔ لیکن وہ اس کے لیے کوئی ثبوت پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس صورت میں حضرت علامہ کے دہلی پہنچنے کے باوجود فتویٰ جہاد پیمان کے دستخط نہ کرنے کے وجوہ بھی تلاش کرنے پڑیں گے۔ محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ اگست سے پہلے دہلی نہیں پہنچے تھے۔ اگست کے بعد کچھ عرصہ دہلی میں ان کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن جب دہلی میں حالات نے ان کی خواہش کے مطابق کروٹ نہیں لی تو دہلی کے ہنگامہ زار اور میدانِ جہاد میں ان کے ذوقِ عمل کی تسکین اور نگاہِ جمال آشنا کی قرۃ و فرحت کا کوئی سروسامان نہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دہلی کے بعد اودھ کے مختلف اضلاع میں مجاہدین حریت کی رفاقت، اعانت اور قیادت فرماتے رہے لیکن حضرت علامہ نے خود ان بیانات کی تردید کردی ہے۔ نواب یوسف علی خان رئیس رام پور کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

" فدوی را بعلت نوکری خان بہادر خان و نظامت پیلی بھیت و چکلہ داری محمدی و افسری لشکر باغی ماخوذ کردہ اند حالانکہ فدوی ازیں ہر سہ امر محض بری است و منشاء مواخذہ آنست کہ شخصے میر فضل حق نام از سادات شاہجہان پور کہ قبل ازیں در سرکار ابد قرار بندگان عالی ملازم ماندہ سررشتہ داری پیلی بھیت ماخوذ شدہ و زمانے تحصیل دار آنولہ و پیلی بھیت ماندہ بود در ابتدائے غدر از طرف خان علی خان چکلہ داری محمدی شدہ پس از زمانے با فسری کدامی لشکر باغی ہمراہ فیروز شاہ آں طرف جمن فرار کرد۔ عزیزانِ او در سرکار کمپنی بعہدہائے جلیلہ مامور اند۔ چنانچہ برادرِ حقیقی او مولوی مبین ڈپٹی کلکٹر سہارن پور بود مہتممانِ اخبار خانہ خراب ناواقف ازیں تفصیل کہ او شخصے دیگر است و فدوی از شیوخ خیرآباد شخصے دیگر۔ در اخبار نا بجا حال نظامت پیلی بھیت و محمدی و افسر لشکر و فرارِ او با فیروز شاہ آں طرف جمن نوشتہ بعض کہ برادر حقیقی او در سرکار رہا راہ

پٹیالہ نوکر دیرا درِ دیگرش در سہارن پور ڈپٹی کلکٹر است وحاکمان اینجا
با اشتباہ ہماں مولوی فضل حق کہ ہم نام و در بعضے علامات شریک فدوی است
فدوی را محض بے جرم مقید کردہ اند[۱۲]"

اور جب حضرت علامہ کو فضل حق شاہجہاں پوری کے نام کے دھوکے میں گرفتار کرلیا تو حضرت علامہ نے عدالت میں اس ظلم کے خلاف پھر واویلا کیا اور کہا :

"فضل حق اور شخص کا نام ہے مجھے اس کی جگہ گرفتار کرلیا ہے ۔ وہ آج کل (شاہزادہ) فیروز شاہ (ابن بہادر شاہ) کے ساتھ ہے ۔ یہ (فضل حق) سابق میں آنولہ کا تحصیل دار تھا اور اس نے خان بہادر خان اور بیگم (حضرت محل) کی ملازمت بھی کی ہے ۔ وہ ذات کا سید اور شاہجہان پور کا رہنے والا ہے[۱۳]"

مشہور محقق پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے ان بیانات پر ان الفاظ پر تبصرہ کیا ہے :

"یہاں یہ بات خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ جنگ آزادی کے بعد جب علامہ فضل حق خیرآبادی کا مقدمہ عدالت میں چل رہا تھا اور اس زمانے کے اخبارات علامہ فضل حق سے متعلق خبریں شائع کر رہے تھے تو ان خبروں میں روہیل کھنڈ سے متعلق مولوی سید فضل حق شاہجہان پوری کی انقلابی اور جنگی سرگرمیاں ہم نام ہونے کی وجہ سے علامہ فضل حق خیرآبادی کے سر منڈھ دی گئیں[۱۴]"

جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد حضرت علامہ کچھ عرصے تک بھیکن پور (ضلع علی گڑھ یو پی) اور بعض دوسرے مقامات پر روپوش رہے ۔ عام معافی کے اعلان کے بعد ظاہر ہوئے، لیکن اعلان معافی کے باوجود ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کو انھیں گرفتار کرلیا گیا ۔ خیرآباد (ضلع سیتاپور یو پی) سے لکھنؤ لے جایا گیا، مقدمہ چلا اور ہر چند کہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں شرکت اور بغاوت کے جرم سے انکار کیا، اور اپنی بریت و عدم تعلق کے ثبوت پیش کیے جہاد حریت میں شرکت اور مجاہدین آزادی کی اعانت کے الزام میں ان کی تمام جائیداد، دیوان خانہ، حرم سرا کے علاوہ کئی دیہات اور مجموعۂ نوادر کتب ضبط کرلیا گیا ۔ اور ۴ مارچ ۱۸۵۹ء کو انھیں حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا سنا دی گئی ۔ اکتوبر ۱۸۵۹ء میں انھیں جزائر انڈمان بھیج دیا گیا ۔

ان کے عزیزوں نے ان کی رہائی کے لیے کوشش کی۔ ان کی بریت کے مزید ثبوت دیے اور آخر کار پریوی کونسل سے ان کی رہائی کا حکم حاصل کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے ان کی رہائی کا پروانہ حاصل کرکے صاحب زادہ محترم مولانا شمس الحق جزائر انڈمان پہنچے۔ پتہ پوچھتے ہوئے قیام گاہ جارہے تھے کہ راستے میں ایک جنازہ نظر پڑا دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ اسی شہید علم وجود کا جنازہ ہے جس کی رہائی کا پروانہ لے کر وہ یہاں پہنچے ہیں۔

ان کے عام تذکرہ نگاروں نے انھیں فتویٰ جہاد کا مستفتی و مفتی بتایا ہے[۱۵] حالانکہ اس دعوے کی کوئی حقیقت نہیں مولوی عبدالحیٔ نے انگریزوں کے خلاف ان کے خروج کو محض 'ایہام' قرار دیا ہے[۱۶]۔ انھوں نے خود بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت اور جنگِ آزادی میں شرکت سے اپنی بریت کا اظہار کیا ہے[۱۷]۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ پریوی کونسل سے انھیں انگریزوں کے خلاف بغاوت کے الزام سے 'بری' قرار دیا گیا تھا۔ یہ ان کے عقیدتمند اہلِ علم کو بھی تسلیم ہے کہ فتویٰ جہاد پر ان کے دستخط نہیں ہیں۔ اور کوئی دوسرا فتویٰ ابھی دستیاب نہیں ہوا ہے جس پر علامہ موصوف کے دستخط ہوں۔ اس بات سے بھی انکار ممکن کہ انگریزوں کے جور و ستم کا نشانہ صرف جہاد جہادِ حریت کے مجرم ہی نہیں بہت سے بے تعلق اور معصوم بھی بنے تھے تاکہ آئندہ کسی بغاوت کا امکان باقی نہ رہے۔ حضرت علامہ کے تلعہ سے تعلق ۱۸۵۷ء اور ۱۸۵۸ء کے دوران میں دہلی اور اودھ کے بعض مقامات پر لوگوں کے خلاف اکساتے اور بغاوت اور قتل کی ترغیب دینے نیز بوندی کے مقام پر مئی ۱۸۵۷ء میں بغاوت کے سرغنہ ممو خان کی مجلسِ مشاورت میں حصہ لینے کی شہرت تھی اور اسی جرم میں انہیں سزا سنائی گئی تھی[۱۸]۔

حضرت علامہ مرحوم اپنے دور کے نادر روزگار اربابِ علم و فضل میں سے تھے۔ ان کے عہد میں مختلف دوائرِ علم و فن میں اتنی بڑی بڑی شخصیات جمع ہو گئیں تھیں کہ پھر چشمِ فلک نے ہندوستان خصوصاً دہلی کی سرزمین میں بیک وقت ایسے نوادر روزگار اربابِ علم و فن کا مجمع نہ دیکھا ہوگا۔ ہندوستان خصوصاً دہلی کے تمام اکابر فضل و کمال سے ان کے برادرانہ دوستانہ تعلقات تھے۔ ان میں سے آزردہ، صہبائی، علوی، شیفتہ، غالب، مومن، منیر، شاہ نصیر، ذوق، عیش، احسان، تسکین، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں[۱۹]۔ مومن، شاہ اسمٰعیل

الولی حیدرآباد

اور مولانا عبدالحی بڈھانوی نے بعض مسائل میں سے اختلاف تھے۔ ان کے فضل وکمال کے بارے میں دو رائیں نہیں ہیں۔ معقولات میں انھیں مجتہد کا مقام حاصل تھا۔ نواب صدیق حسن خان نے انھیں اپنے زمانہ طالب علمی میں دہلی میں دیکھا تھا۔ ان کا قول مختلف علوم وفنون میں ان کی یگانگی کے بارے میں گزر چکا ہے انھوں نے لکھا ہے کہ فضل حق خیرآبادی علوم حکمیہ وفلسفہ میں بلا خوف تردید اپنے وقت کے امام تھے[۲] مولوی خیرالدین فرماتے تھے "کہ میں نے ایسا خوش تقریر انسان عمر بھر میں کوئی نہیں دیکھا مجلس کی تقریر اور درس وعلوم کی تقریر دونوں میں بے مثل تھے۔ ان کی ایک تقریر وحدۃ الوجود پر اس درجہ مشہور ہوئی کہ دور دور سے اہل علم اس کی سماعت کے لیے شد رحال کرکے آتے تھے[۲۱] مولوی رحمان علی نے ان کے کمال تدریس کا چشم دید واقعہ لکھا ہے:

"۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں ان کی خدمت میں لکھنؤ میں حاضر ہوا۔ تو عین حقہ پینے اور شطرنج کھیلنے کی حالت میں ایک طالب علم کو افق المبین کا سبق دے رہے تھے اور کتاب کے مطالب کو بہت خوبی کے ساتھ طالب علم کو ذہن کرا رہے تھے"[۲۲] ان کے فضل وکمال کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی کا یہ بیان بس کرتا ہے۔

"فضل حق کے دم عیسوی نے معقولات میں روح پھونکی کہ اپنے سینے وقت مشہور ہوئے دیار داطراف سے طلبہ نے ان کی طرف رجوع کیا۔ انھوں نے منطق وفلسفہ کو نئے طور سے ملک میں رواج دیا[۲۳]"

ان کے مذہبی مسلک اور مشرب کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

"جہاں تک مذہبی عقائد واعمال کا تعلق ہے۔ ان کا مشرب رسم پرستی وبدعت نوازی کا تھا۔ اور اس باب میں نہایت غلو رکھتے تھے۔ مولانا اسمٰعیل شہید نے جب تحریک اصلاح شروع کی تو اس کے مخالفوں میں سب سے زیادہ نامور ہوئے۔ مولانا شہید نے "تقویت الایمان" میں لکھ دیا ہے کہ اگر خدا چاہے تو ایک پل میں کروڑوں آنحضرتؐ کے امثال پیدا کر دے یہ بات ان کو بہت شاق گزری اور معقولات کی رنگ آمیزیوں سے ایک تقریر اس کے رد میں لکھی، دعویٰ یہ کیا کہ نظیر خاتم النبیینؐ کا پیدا ہونا ممتنع بالذات ہے اور پھر قدرت اور مشیت کا فرق فراموش کرکے سارا معاملہ مشیت کے ذیل میں لے گئے۔ ساری تقریر محض جدل ومکابرہ کا ایک

لفظی گورکھ دھندا تھی[۲۴] مومن نے اپنے ایک شعر میں ان کے لیے بدعتی کا لفظ استعمال کیا ہے:

"مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم"[۲۵]

نواب صدیق حسن خاں نے بھی بدعت نوازی کی طرف ان کے میلان کا ذکر کیا ہے[۲۶]۔ علامہ فضل حق نے ایک کامل درجہ کی بھرپور زندگی ہیں گزاری۔ لیکن درس وتدریس سے انھوں نے اس زمانے کے رؤساء وامراء کی روایت کے مطابق زندگی بھر ایک تعلق رکھا اور ممتاز ومعروف اہل علم اور ارباب فکر ونظر کی ایک بقدر جماعت ہے جس نے معقولات میں خاص طور سے ان سے استفادہ کیا ہے ان میں سے مولوی حافظ عبداللہ بلگرامی، مولوی نورالحسن کاندھلوی، مولوی عبدالحق خیرآبادی (حضرت علامہ مرحوم کے صاحبزادے) مولوی شاہ عبدالقادر بدایونی[۲۷] نواب یوسف علی خان اور نواب کلب علی خان رام پوری[۲۸]، مولانا ہدایت علی خان جونپوری، مولانا فیض الحسن سہارنپوری، مولانا جمیل احمد، مولانا سلطان احمد بریلوی، مولانا شاہ عبدالقادر کاکوروی مولانا ہدایت علی بریلوی، مولانا غلام قادر گوپاموی[۲۹]، مولانا خیرالدین (والد مولانا ابوالکلام آزاد[۳۰]) مولوی عبدالرشید غازی پوری[۳۱]، مولانا حکیم محمد حسن امروہوی[۳۲] خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں نے ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے:

"رسالہ العیش افعال فی شرح الجواہر العالی، حاشیہ شرح السلم قاضی مبارک، حاشیہ الافق المبین باقر داماد، حاشیہ تلخیص الشفا ابن سینا، الہدیۃ السعیدیہ فی الحکمۃ الطبیعۃ رسالہ تحقیق العلم والمعلوم، الروض المجود فی تحقیق حقیقۃ الوجود، رسالہ تحقیق الاجسام، رسالہ تحقیق الکلی الطبعی، رسالہ تحقیق التشکیک، رسالہ تحقیق الالٰہیات، تاریخ فتنۃ الہند اور مجموعہ قصائد، غزلیات وغیر مرتبہ وشرح جمیل احمد بلگرامی"[۳۳]۔

رسائل نمبر ۹ تا ۱۱ کا نام صدیق حسن خاں نے اس طرح لکھا ہے "رسالہ فی تحقیق الکلی الطبعی وفی التشکیک وفی الالٰہیات" اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ یہ ایک رسالہ ہے اور بعض نے نمبر ۹ کو ایک اور نمبر ۱۰، ۱۱ کو دوسرا رسالہ سمجھ لیا ہے لیکن رسالہ نمبر ۱۰ فارسی میں اور دوسرے عربی میں ہیں۔ اس لیے یہ ایک یا دو نہیں بلکہ تین رسالے ہیں۔

امتناع نظیر کے مسئلے میں ان کے رسالے کا ذکر مولانا آزاد کی تحریک کے اقتباس میں گزر چکا

ہے۔ الثورۃ الہندیہ جس کا ترجمہ "باغی ہندوستان" کے نام سے عبدالشاہد خان شیروانی نے کرکے چھپوا دیا ہے۔ اس رسالے کا نام مولانا ابوالکلام آزاد کا تجویز کیا ہوا ہے اور اس رسالے کے ساتھ علامہ مرحوم کے دو قصیدے، قصیدہ ہمزیہ اور قصیدہ والیہ بھی شامل ہیں یہ کتاب ان کی تیز اثر انداز مان میں زمانہ جس دوام کی یادگار ہے۔ میرا خیال ہے کہ نواب صاحب نے تاریخ "فتنۃ الہند" نامی جس کتاب کا ذکر کیا ہے وہ اسی رسالے اور قصائد کا مجموعہ ہے۔ رسالہ تاطیغوریاس اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ[۳۴] مولانا سید سلیمان ندوی نے اس فہرست میں "شرح ہدایۃ الحکمۃ" کا اضافہ کیا ہے[۳۵]

حضرت علامہ مرحوم ایک بلند پایہ مصنف ہونے کے علاوہ عربی و فارسی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ صاحب ابجد العلومؒ نے ان کے اشعار کی تعداد چار ہزار سے زائد بتائی ہے ان کے بیشتر قصائد آنحضرتؐ کی مدح اور کفار کی ہجویں ہیں[۳۶]

سرسید کے ان کے قریبی روابط کا پتہ چلتا ہے۔ سرسید نے آثار الصنادید میں ان کا جو ترجمہ لکھا ہے وہ ان کے علم و ذہانت کو بہت بڑا خراج ہے۔ ان کی ذہنی و شاعرانہ صلاحیتوں سے سرسید بہت متاثر تھے۔ اس لیے انھیں فرزدق عہد و لبید دوران لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے کلام میں شاعرانہ محاسن سے زیادہ ان کے علم و فضل اور زبان پر ان کے کمال قدرت کا اظہار ہوا ہے۔ سرسید نے منطق و کلام اور فلسفہ میں ان کے تبحر اور ان کے علمی و ذہنی فضائل کے اعتراف کے باوجود ان کے عقائد کی صحت یا شرک و بدعت یا جاہلانہ رسوم کے خلاف ان کے جہاد یا کسی ادنیٰ کوشش کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سرسید نے ان کی سیرت کے محاسن کو دین کی تعلیم و اشاعت، حدیث و فقہ کے درس و تدریس یا شرک و بدعت کے استیلا و خلاف کے بجائے صرف ان کی ذہانت اور فلسفہ و شعر میں ان کے درک میں ڈھونڈا ہے۔

حضرت علامہ کا ایک شعر ہے ؎

فرقتی در کعبہ رفتی بارہا نامسلمان نامسلمانی ہنوز

امیر الروایات کے مطابق "آرزو" بھی انھیں کا تخلص تھا[۳۸] مومن کی ایک غزل ہے جس کا

مطلع اور مقطع یہ ہے:

مطلع: ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے مجبور جی سے ہم

مقطع: بے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم[۹]

حضرت علامہ مرحوم نے دو شادیاں کیں جن سے ان کی چھ اولادیں ہوئی۔ پہلی شادی منشی فضل احمد ابن حسین میاں کی صاحبزادی سے کی۔ اہلیہ کا نام وزیرن تھا ان سے چار اولادیں ہوئیں[۱] سعید النساء پڑھی لکھی خاتون تھیں، شاعری کا شوق تھا۔ حرماں تخلص کرتی تھیں۔ مضطر خیرآبادی و بسمل خیرآبادی ان کے نام فرزند تھے۔ نجم النساء[۱] ان کے صاحبزادے منشی ضمیر علی ریاست جے پور میں فوج دار تھے۔ محمود النساء[۲] ان کی شادی خیرآباد کے منشی طفیل احمد سے ہوئی تھی۔ حضرت علامہ کی چوتھی اولاد ان کے فرزند عبد الحق خیرآبادی تھے جو مشہور زمانہ لائق و فائق اور باپ دادا کی وراثت علمی کے سچے جانشین ہوئے۔

علامہ مرحوم کی دوسری شادی دہلی میں ہوئی تھی۔ ان سے مولوی شمس الحق اور مولوی علاء الحق پیدا ہوئے[۳]

بالآخر چھیاسٹھ برس کی زندگی کے لیل و نہار دیکھ کر اور گرم و سرد زمانہ سے گزر کر علم و فضل و کمال کا یہ آفتاب جہاں تاب غربت و مظلومیت کی حالت میں ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ ۲۰ اگست ۱۸۶۱ء کو جزائر انڈمان کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔

حواشی

۱ صدیق حسن خاں: "ابجد العلوم" بھوپال، مطبع صدیقی، ۱۲۹۱ھ ج ۳ ص ۹۲۳۔

۲ عبد الشاہد خاں شیروانی "باغی ہندوستان" لاہور: مکتبہ قادریہ، ۱۹۷۴ء ص ۶۶

۳ صدیق حسن خاں نواب "ابجد العلوم" محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۱۵ و ۹۲۳۔

٤ ایوب قادری، محمد (مترجم و مرتب) "تذکرہ علمائے ہند" (رحمان علی) کراچی، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ١٩٦١ء
٥ گل حسن پانی پتی "تذکرہ غوثیہ" لاہور، اللہ والے کی قومی دکان، س.ن۔
٦ محمد میاں، مولانا سید "علمائے ہند کا شاندار ماضی" دہلی آبستان، ١٩٦٠ء ج ٤ ص ٦١ و ٢٨٧
ایوب قادری، محمد (مترجم و مرتب) علم و عمل (وقائع عبدالقادر خانی)
آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ١٩٧٠ء، ج ١ ص ٢٥٦۔
٧ خلیق احمد نظامی "تاریخ مشائخ چشت" اسلام آباد، دارالمؤلفین، ١٩٧٥ء ص ٦٧٦۔
٨ صدیق حسن خان، نواب، "ابجد العلوم"، محولہ بالا، ج ٣، ص ٩٢٣
٩ عبدالحئی، مولانا سید، نزہتہ الخواطر، حیدرآباد (دکن) دائرۃ المعارف، ١٩٥٩ء ج ٧، ص ٣٧٥
١٠ شوق، حافظ احمد علی، "تذکرہ کاملانِ رام پور" پٹنہ، خدا بخش اورینٹل لائبریری ١٩٨٦ء ص ١٤٣
١١ محمود احمد برکاتی، "فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون" کراچی: برکات اکیڈمی ١٩٧٥ء ص ٢٠
١٢ ماہنامہ تحریک دہلی اگست ١٩٥٧ء، بہ حوالہ محمد ایوب قادری، جنگ آزادی ١٨٥٧ء (واقعات و شخصیات) کراچی، پاک اکیڈمی ١٩٧٦ء ص ٦٩-٥٦٨۔
١٣ ایضاً جون ١٩٦٠ء بہ حوالہ مذکورۂ بالا،
١٤ محمد ایوب قادری، جنگِ آزادی ١٨٥٧ء (واقعات و شخصیات) محولہ بالا، ص ٥٦٨۔
١٥ عبدالشاہد خان شروانی، محمد، باغی ہندوستان، لاہور، مکتبہ قادریہ، ١٩٧٤ء، ص ١٤١،
ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر (مرتب) اسباب بغاوت ہند، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ١٩٥٧ء ص ٥٩،٧٥
١٦ عبدالحئی، مولانا سید، نزہتہ الخواطر، محولہ بالا ج ٧، ص ٣٧٥
١٧ ایوب قادری، محمد، جنگ آزادی ١٨٥٧ء (واقعات و شخصیات) محولہ بالا، ص ٦٩، ٥٦٨
١٨ محمود احمد برکاتی، "فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون"، محولہ بالا، ص ٦٠-٩٧
محمد میاں، مولانا سید، "علمائے ہند کا شاندار ماضی" محولہ بالا، ج ٤ ص ٢٠٠-٨٣
ایوب قادری، محمد، "جنگ آزادی" ١٨٥٧ء، محولہ بالا، ص ٦١-٤٠٢
١٩ عبدالحئی، مولانا سید، "گل رعنا" اعظم گڑھ (بھارت)؛ دارالمصنفین، ١٣٤٠ھ ص ١٦١۔
٢٠ صدیق حسن خان "ابجد العلوم"، محولہ بالا، ج ٣ ص ٩٢٣

۲۱؎ مہر، مولانا غلام رسول، (مرتب) "نقش آزاد"، لاہور، کتاب منزل، ۱۹۵۹ء ص ۳۰۹
۲۲؎ ایوب قادری، محمد (مترجم و مرتب) "تذکرہ علمائے ہند"، محولہ بالا ص ۳۸۳
۲۳؎ سلیمان ندوی، سید "حیات شبلی"، اعظم گڑھ (بھارت) دار المصنفین ۱۹۴۳ء، صص ۲۳-۲۴
۲۴؎ مہر، مولانا غلام رسول (مرتب) "نقش آزاد" محولہ بالا، ص ۳۰۹
۲۵؎ فائق رام پوری، کلب علی خان (مرتب) "کلیات مومن" لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۴ء، ج ۱، ص ۱۲۳
۲۶؎ صدیق حسن خان، نواب، "ابجد العلوم" محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۲۳
۲۷؎ ایوب قادری، محمد، (مرتب و مترجم) "تذکرہ علمائے ہند" محولہ بالا۔
صص ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹ و ۳۱۱
۲۸؎ حامد حسن قادری، "تاریخ داستان زبان اردو"، کراچی، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۶۶ء ص ۲۲۵،
محمد عسکری، مرزا، (مترجم) "تاریخ ادب اردو" (رام بابو سکسینہ) لاہور، مکتبہ خانہ ملیہ،
س ن، ص ۳۱۹۔
۲۹؎ عبدالشاہد خاں شروانی، محمد، "باغی ہندوستان" محولہ بالا، ص ۱۶۵،
۳۰؎ مہر، مولانا غلام رسول (مرتب) "نقش آزاد" محولہ بالا، ص ۳۰۸
۳۱؎ اشرف علی تھانوی، مولانا "ارواح ثلاثہ"، لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۷۶ء ص ۲۰۷
۳۲؎ امداد صابری، فرنگیوں کا جال، دہلی، فاروقی پریس ۱۹۴۹ء ص ۲۸۵
۳۳؎ صدیق حسن خان، نواب "ابجد العلوم" محولہ بالا ج ۳، ص ۹۲۳۔
۳۴؎ اختر راہی، "تذکرہ مصنفین درس نظامی"، لاہور، مسلم اکادمی، ۱۹۷۵ء، ص ۱۸۱،
رئیس احمد جعفری، "بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد"، لاہور، کتب منزل، ۱۹۵۲ء ص ۸۵۶،
عبدالشاہد خاں شروانی، محمد، "باغی ہندوستان" محولہ بالا، ص ۱۰۷،
ایوب قادری، محمد، (مرتب و مترجم)، "تذکرہ علمائے ہند" محولہ بالا، ص ۳۸۳،
بزمی انصاری "فضل حق خیرآبادی" (مقالہ)، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ"، لاہور،
دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۵ء ج ۱۵، ص ۳۷۵
۳۵؎ سلیمان ندوی، سید، "حیات شبلی"، محولہ بالا، ص ۲۳

۳۶ے صدیق حسن خان، نواب "ابجد العلوم" محولہ بالا، ج ۳ ص ۹۲۳،
عبدالحی، مولانا سید "نزہتہ الخواطر" محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۷۴،

۳۷ے ریاض انصاری، مولانا : علامہ فضل حق خیرآبادی (مقالہ) برہان (ماہنامہ) دہلی، جولائی سنہ ج ۷۷ ص ۵۹

۳۸ے اشرف علی تھانوی، ارواح ثلاثہ، محولہ بالا ص ۱۱۵۔
فائق رام پوری، کلب علی خان "مومن" لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۱ء، ص ۴۲ و ۲۱۶۔

۳۹ے فائق رام پوری، کلب علی خان (مرتب) "کلیات مومن" محولا بالا، ج ۱ ص ۳۳ - ۱۳۲
فائق رام پوری، کلب علی خان؛ "مومن"، محولہ بالا، ص ۴۲۔

۴۰ے عبدالشاہد خاں شروانی، محمد، "باغی ہندوستان"، محولہ بالا، ص ۱۶۴

۴۱ے صدیق حسن خان، نواب، "ابجد العلوم" محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۲۳
عبدالحی، مولانا سید، "نزہتہ الخواطر"، محولہ بالا، ج ۷، ص ۳۷۴۔

۴۲ے امداد صابری، "فرنگیوں کا جال"، دہلی، فاروقی پریس، ۱۹۴۹ء

۴۳ے صدیق حسن خان، نواب، "ابجد العلوم" محولہ بالا، ج ۳، ص ۹۲۳